افتخار ایاز: دیار غیر میں مجسم پاکستانیت

تحریر: سہیل احمد لون

انسان اشرف المخلوقات ہونے کا دعویدار ہے، انسانوں اور حیوانوں میں بہت سی خوبیاں اور صفات مشترک ہیں۔ مگر پڑھنے، لکھنے کا عمل انسان کو حیوان پر فوقیت دیتا ہے۔ پڑھائی کی قدر و منزلت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا میں سب سے متبرک کتاب قرآن پاک کا جب نزول ہونا شروع ہوا تو پہلا حرف اقراء یعنی پڑھ تھا۔ اس کے علاوہ سرور کائنات حضرت محمد ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ علم حاصل کرو خواہ تمھیں اس کے لیے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔ یعنی تعلیم کے لیے جتنی دور بھی جانا پڑے اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اس وقت برطانیہ اور امریکہ کی درس گاہیں تعلیم حاصل کرنے کے لیے معیاری اور موزوں ترین تصور کی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص افریقہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کر کے برطانیہ سے ڈپلومے اور بی ایڈ آنرز کی ڈگری مکمل کرنے کے بعد ماسٹر ڈگری بھی کرے، اس کے باوجود اس کی تعلیم حاصل کرنے کی تشنگی کم نہ ہو اور وہ امریکہ سے ہیومن ڈیلویلومنٹ میں پی ایچ ڈی کرے اور اس کے بعد ڈاکٹریٹ ان ایجوکیشن بھی کرے تو ایسے شخص کی تعلیمی قابلیت اور سیکھنے کے جذبے کو ملک و قوم کے لیے باعث افتخار سمجھا جا سکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ اہم چیز امن قائم کرنا ہے۔ دہشت گردی کی آلودہ فضاء میں اگر کوئی شخص امن کی بات کرے، دکھی انسانیت کی خدمت میں اپنی تمام صلاحیتیں دیانتداری سے خرچ کرے۔ جس کے اعتراف میں اسے الفریڈ آئن سٹائن امن کا نوبل انعام ملے۔ دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک بھارت کو اگر کسی پاکستانی نژاد کو اپنے سب سے بڑے سول ایوارڈ نورتن سے نوازنا پڑے تو معمولی بات نہیں۔ شیکسپیئر کے دیس میں اگر ملکہ سے برطانیہ کا (O.B.E) جیسا بڑا سول ایوارڈ ملے تو یہ بھی قابل ستائش بات ہے۔ محسن انسانیت کا علم ہاتھ میں بلند کر کے اگر کوئی شخص امن کا بین الاقوامی ایوارڈ کا حقدار ہونے کے ساتھ ساتھ مین آف دی ائیر ان ہیومن رائیٹس بھی بن جائے تو ایسے شخص کی عظمت کو کون سلام نہیں کرے گا۔

برطانیہ، امریکہ اور افریقہ میں تعلیمی میدان میں جھنڈے گاڑنے کے بعد انسانیت کی خدمت کے اعتراف میں او۔ بی۔ ای، نو رتن، نوبل میڈل، جیسے دیگر کئی بڑے ایوارڈ لینے والے ڈاکٹر افتخار ایاز سے میری غیر رسمی ملاقات چند روز قبل ہوئی۔ چند ہفتے قبل میں نے یونیورسٹی کے ایک پروجیکٹ کے لیے ایک لوکل ہیرو کا انتخاب کر کے اس کا انٹرویو کرنا تھا۔ ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب سے رابطہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ برطانیہ سے باہر تھے۔ گزشتہ ہفتے ڈاکٹر صاحب سے بالآخر فون پر رابطہ ہو ہی گیا۔ مقررہ وقت پر ان کے دولت خانے پر اپنے دوست اور بھائی تنویر میر کے ہمراہ حاضر ہوا تو ان سے ملنے پر جو پہلا تاثر قائم ہوا وہ یہی تھا کہ شجر پر جتنا پھل زیادہ ہو وہ اتنا ہی جھکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔ ان کی طبیعت میں عاجزی اور زبان میں مٹھاس تھی۔ عمر کے اس حصے میں اکثر لوگ ریٹائیرڈ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب اس وقت بھی برطانیہ میں Tuvalu جزیرے کے کونسل جنرل کے فرائض سر

انجام دے رہے ہیں، ورلڈ نیشن کانگریس کے سینیٹر، یونیورسل کنسلٹنٹ لندن کے ایسوسی ایٹ ڈائیریکٹر، ورلڈ اکیڈیمی آف لیٹرز کے وائس چانسلر، ABI ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈپٹی گورنر، یونیورسل پیس فیڈریشن میں ایمبیسڈر آف پیس، اس کے علاوہ بھی وہ کئی ریجنل، نیشنل اور انٹرنیشنل تنظیموں کے ساتھ منسلک ہیں۔ تعلیم، ایوارڈز اور کاموں کی لمبی فہرست کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ قائداعظم کی کام، کام اور بس کام..... کے فارمولے کو زندگی کا مقصد ڈاکٹر صاحب نے ضرور بنایا ہے۔

انہوں نے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز افریقہ سے کیا جو برطانیہ سے ہوتا ہوا امریکہ تک جاری رہا۔ کیریئر کی ابتداء برطانیہ سے عمل تدریس سے ہوئی، یہ سلسلہ دو برس سے کم عرصہ ہی رہا اس کے بعد وہ ایجوکیشن کے محکمہ میں انسپکٹر ہو گئے اور بعد ازاں ایڈمنسٹریشن میں چلے گئے۔ برطانیہ میں ماسٹر ڈگری کرتے ہوئے گورنمنٹ نے انہیں کامن ویلتھ انسٹی ٹیوٹ کنگسٹن میں افریقن ڈیسک میں سکالرشپ دی۔ اس طرح ان کو افریقہ کے غریب ممالک میں مختلف فلاحی کاموں میں حصہ لینے اور اپنی ان پٹ دینے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر صاحب کی تعیناتی اقوام متحدہ کے ادارے FAO(Food and Agriculture) میں ہوئی جہاں Centre of integrated of rural development میں انہوں نے ایڈمن آفیسر کے طور پر فرائض سرانجام دیے۔ اس دوران ان کو افریقہ کے تقریباً تمام ممالک میں جانے کا موقع ملا۔ لوگوں کو غربت کی نچلی سطح پر، بنیادی ضروریات کو ترستے ہوئے مسائل سے بھرپور زندگی گزارتا دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے ان کے حقوق کے لیے آواز بلند کرنا شروع کر دیا۔ یوں دکھی انسانیت سے محبت کا ایسا آغاز ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے زندگی کا مشن ہی انسانیت کی خدمت کرنا بنالیا۔ ڈاکٹر صاحب کو لندن میں کامن ویلتھ سیکریٹریٹ میں کام کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو آسٹریلیا کے قریب پیسفک ریجن میں چھوٹے چھوٹے جزائر میں بطور ایکسپرٹ بھیجا۔ جہاں ہیومن ریسورسز کو بہتر بنانے کا ذمہ سونپا گیا تھا۔ اس دلچسپ پراجیکٹ سے ڈاکٹر صاحب کو بہت کچھ سیکھنے اور کرنے کا موقع ملا۔ Human development project پر کام کرنے کی وجہ سے آپ نے امریکہ سے پی ایچ ڈی بھی ہیومن ڈیویلومنٹ میں کی۔ 1988ء میں پہلی مرتبہ ملکہ برطانیہ سے کامن ویلتھ کی تقریب میں ملنے کا موقع ملا جہاں انہوں نے اپنے پراجیکٹ کے بارے میں بریفنگ بھی دی۔ 1989ء سے 1996ء تک اقوام متحدہ میں بطور کنسلٹنٹ فرائض سرانجام دیے۔ اس دوران انہوں نے ہیومن رائیٹس کمیشن جواب ہیومن رائیٹس کونسل کہلاتا ہے اس میں Rights of minorities کے باقاعدہ رکن رہے اور اسکے تمام سیشن میں شرکت کی۔ آج وہ UN میں کام نہیں کرتے مگر اس کے باوجود ان کی ان پٹ لینے کے لیے ان کو اقوام متحدہ اپنے سیشن میں ڈاکٹر صاحب کو مدعو ضرور کرتی ہے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب دنیا کی مختلف ہیومن رائیٹس کی تنظیموں سے منسلک ہیں اس لیے UN کے سیشن میں یا اس کے علاوہ بھی لوگوں کے مسائل سامنے لاتے ہیں اور ان کے حل کرانے کی آواز اٹھاتے ہیں۔

ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب نے بتایا کہ UN کی گزشتہ برس کی رپورٹ جو برطانیہ کے لوکل اخبارات میں شائع ہو چکی ہے اس کے مطابق 2013ء میں تقریباً 50 ملین افراد دنیا میں بے گھر ہوئے۔ جن میں سے تقریباً ڈیڑھ ملین افراد کو اپنا ملک ہی چھوڑنا پڑا۔ اس میں سب سے اہم اور تشویش ناک بات یہ ہے کہ سب سے زیادہ بے گھر افراد جس ملک میں ہوئے اس میں پاکستان سرفہرست ہے۔

دہشت دگری، بے یقینی، عدم تحفظ اور بنیادی حقوق کی عدم دستیابی کے باعث پہلے ہی ہمارے لوگ بے گھر ہو رہے ہیں اب ملٹری آپریشن سے اس میں اور اضافہ ہوگا۔ اتنے بڑے آپریشن سے قبل علاقے کے مکینوں کے لیے متبادل Temporary setlement کا انتظام کرنا بہت ضروری تھا۔ ایسا آپریشن بھی چند دنوں کا نہیں ہوتا اس میں مہینوں لگ سکتے ہیں اس لیے متاثرین کے لیے ایسا کیمپ بنانا بہت ضروری تھا جہاں روٹی کپڑا رہنے کو جگہ کے علاوہ صحت اور تعلیم کی سہولیات کو یقینی بنایا جاتا۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اس وقت لوگ وطن عزیز سے ہجرت کر کے صرف ان ممالک کا ہی رخ نہیں کر رہے جن ممالک نے 1951ء میں جنیوا کنونشن میں سائن کیے تھے بلکہ ایسے ممالک میں بھی اسائلم لینا شروع ہو گئے ہیں جن ممالک نے سائن نہیں کیے مگر وہاں UNHCR کا دفتر موجود ہے۔ اس وقت پاکستانیوں کی ایک کثیر تعداد تھائی لینڈ، سری لنکا، چین، نیپال، ملائیشیا، انڈونیشیا کے علاوہ افریقی ممالک میں بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے Poverty Alleviation پر بہت کام کیا ہے، بھارت کے سابقہ صدر نے ان کو سب سے بڑا سول ایوارڈ نورتن دیا اس کے علاوہ گلوری آف انڈیا کا ایوارڈ بھی ملا۔ 2012ء میں CHRB Humantarian ایوارڈ بھی لے چکے ہیں۔ Life Achievement ایوارڈ، Genius ،Cambridge Uni, Ambassador & Knowledge 2011 Laureate of England، مین آف دی ائیر ان ہیومن رائیٹس 2010، کے علاوہ بے شمار سول اور تعلیمی ایوارڈ لینے والے ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ اپنی بے حد مصروف پروفیشنل، فیملی اور سوشل لائف میں توازن کیسے رکھ پاتے ہیں اور یہ سب کچھ اتنی کامیابی سے کیسے Manage کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا "میں جو کام بھی کرتا ہوں اس کا مرکزی نقطہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے میرا اللہ خوش ہو، انسانیت کی خدمت ہو یا گھر کا کام، پروفشنل لائف میں کوئی کام ہو میں صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ اس سے مجھے برکت کے ساتھ ساتھ طاقت بھی ملتی ہے۔ دراصل اگر مرکزی نقطہ قائم رہے تو تمام کام اور معاملات اس کے مطابق ڈھل جاتے ہیں۔"

پاکستان کا سبز پاسپورٹ ہو یا پاکستانی اسے دیکھ کر دنیا بھر میں ایک عجیب سا تاثر پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ ہمارے اپنے اعمال ہیں۔ پاکستانیوں کے لیے خاص پیغام میں ڈاکٹر صاحب نے کہا "ہمیں ظاہری حالات میں نہیں الجھنا چاہیے، اس سے ہم مزید الجھتے جائیں گے۔ ہمیں بحیثیت قوم، سوسائٹی، اور فرد اپنے آپ کو سنبھالنا ہوگا۔ ہمیں اپنے ماحول اور حالات کا محاسبہ فوری طور پر کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کیا تو انتشار مزید بڑھے گا۔ کسی بھی ریاست، ملک یا قوم کی بنیاد اس کے اقدار پر ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم، ملک یا ریاست اپنے مقاصد کے حصول میں ناکام ہو رہی ہو تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے اپنی اقدار کھو دی ہیں۔ وطن عزیز کی حالت دیکھ کر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ہم نے اپنے اقدار کو بنیاد نہیں بنایا۔ ہمیں دوسروں کی طرف دیکھنے کی بجائے اپنی صلاحیتوں اور وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ مذہب، رنگ، نسل، معاشی حالت، مسلک، اور فرقوں کو بالائے طاق رکھ کر اتحاد سے رہنا ہوگا۔ مذہب میں سیاست اور سیاست میں مذہب کے غلط استعمال سے آج ہمارے پاس مذہب اور سیاست دونوں ہی نظر نہیں آتے۔ ہمیں انسانیت کے رشتے کو ذہن میں رکھ کر آپس میں متحد ہونا ہوگا۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے جس پاکستان کی بنیاد رکھی وہ اقدار اسلامی اور رواداری کی تھیں لیکن ہم نے اس درس کو بھولا دیا ہے۔ ہمیں وہ رسول نصیب

ہوئے جن کی حیات طیبہ میں زندگی کے تمام معاملات کا حل موجود ہے۔ آپ ﷺ نے ریاستی معاملات کامیابی سے چلائے حالانکہ اس وقت بھی ہر ملت ومذہب کے لوگ موجود تھے۔ ہمیں جلسے جلوسوں اور دھرنوں کی بجائے عقل وفہم کو متحرک کرنے کی ضرورت ہے۔ جذبات کو قابو میں رکھنا ہوگا اور جذبے کا مثبت استعمال کرنا ہوگا۔ ہم کوئی مثبت کام کرنا شروع کریں یا کسی مثبت مہم کا آغاز کریں تو ہماری عوام میں follow up کرنے کا رجحان نہیں۔ انسان اور انسانیت سے محبت کرنے سے ہی دنیا میں امن وامن آ سکتا ہے۔ اگر کسی بھی آئیڈیالوجی کو جبر سے ختم کرنے کی کوشش کی جائے تو نظریاتی سوچ مزید طاقتور ہوتی ہے۔ ڈاکٹر افتخار ایاز صاحب کے خیال میں بین الاقوامی طور پر جیسے حالات پیدا کیے جا رہے ہیں وہ ایک عالمی جنگ کا پیش خیمہ بھی بن سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہی لوگ پاکستان سے باہر پاکستانیت کی مجسم شکل ہیں ان کا جتنا احترام کیا جائے کم ہے کہ ان کا کام کسی گروہ 'مذہب' مسلک یا قوم کیلئے نہیں بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کیلئے ہے یہی پاکستان کی حقیقی تصویر ہے اور ہونی بھی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب میں اُن سے رخصت ہوا تو میرے ذہن میں بار بار یہی آ رہا تھا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن سے ہاتھ ملائیں تو ہاتھوں سے خوشبو نہیں جاتی۔ مجھے کامران ناشط کا ایک شعر بہت یاد آ رہا ہے۔

کہیں جالا لگا دیکھیں تو واپس لوٹ جاتے ہیں
یہ کافر بھی پرانے غار سے واقف نہیں اب تک

تحریر: سہیل احمد لون

سرٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

09-07-2014.